© rasailojaraid.com

"مسئلہ امامت اور علامہ شہرستانی"

از
مولانا حکیم عبدالباقی شطاری مولوی فاضل، منشی فاضل
لکچرر شعبۂ طب نظامیہ کالج حیدرآباد دکن

علم کلام کی تعریف | علامہ عضد الدین نے المواقف میں علم کلام کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ "الکلام علم یقتدر معہ اثبات عقائد الدینیۃ بایراد الحجج و دفع الشبہۃ" یعنی علم کلام اس علم کو کہتے ہیں جس کی بدولت دینی عقائد کو دلائل سے ثابت کرنے اور شبہات کو رفع کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔[عہ]

علامہ تفتازانی نے علم کلام کی یہ تعریف کی ہے کہ "الکلام ھو العلم بالعقائد الدینیۃ عن الادلۃ الیقینیۃ" یعنی دینی عقائد کو یقینی دلائل سے جاننے کا نام علم کلام ہے۔[عہ]

علم کلام کی تدوین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام کے دور میں علم کلام کی تدوین نہیں ہوئی جس کے متعلق علامہ تفتازانی نے حسب ذیل وجوہ بیان کئے ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت۔

(۲) آپ کے زمانہ کا قرب۔

(۳) آپ سے خبروں کا سننا اور آثار کا مشاہدہ

(۴) وقائع اور اختلافات کی کمی۔

(۵) آسانی سے ثقات کی طرف رجوع کرنا۔

عہ شرح المواقف صلا ۳ عہ شرح مقاصد جلد اول صہ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ان وجوہ سے وہ لوگ احکام کی تدوین، ابواب و فصول کی ترتیب اور اصولی و فروعی مسائل کی تکثیر سے بے نیاز تھے۔ مگر جب مختلف وجوہ سے جن کی تفصیل یہاں بے محل ہے۔ اختلاف آراء کا ظہور ہوا اور بدعات واہواء (یعنی بداعتقادی) کی طرف میل ہوا، فتاوی اور واقعات کی کثرت ہوگئی۔ زیادہ غور و فکر اور اس طرف توجہ کی ضرورت پڑی تو ارباب نظر و استدلال نے استنباط احکام کی طرف توجہ کی اور عقائد اسلام کی تحقیق میں اپنی کوششیں صرف کیں اور اس کے اصول و قوانین کی تمہید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس (یعنی علم کلام) کے دلائل اور حجتوں کی تلخیص کی اور (اعتقادی) مسائل کو ان کے دلائل کے ساتھ مدون کیا اور شبہات کو جوابات کے ساتھ لکھا ان کے علم کا نام فقہ رکھا اور اعتقادات کا نام خاص طور سے فقہ اکبر رکھا گیا اکثر لوگوں نے عبادات کے علم کو فقہ اور اعتقادیات کے علم کو علم توحید و صفات لکھا ہے (شرح مقاصد)

الحاصل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں میں ایمان اتنا راسخ ہو جاتا تھا کہ اعتقادی مسائل میں عموماً کوئی شک و شبہ پیدا ہی نہ ہوتا تھا مگر بعد والے تو اس نعمت عظمیٰ سے محروم تھے۔ نیز اشاعت اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان عجمی نومسلم دماغوں سے ان کے سابقہ روایات اور عقائد کا نقش ابھی پوری طرح مٹنے نہ پایا تھا پھر دنیائے اسلام کے جلد جلد ہونے والے سیاسی انقلابات کا بھی ان ذہنیتوں پر خاص اثر پڑا اور ارباب نظر و فکر کے لئے نئے نئے مسائل پیدا ہوگئے جس کا لازمی نتیجہ افتراق امت ہوا۔ اور اسلام میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے۔ مگر یہ سب کلمہ گو اور اہل قبلہ تھے یعنی باوجود اختلاف عقائد حسب ذیل امور ان سب میں متفقہ طور پر مسلمہ تھے۔

(۱) اللہ ایک اور وہی مستحق عبادت ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔

(۳) قرآن مجید خدا کی کتاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

(۴) کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) نماز۔ زکواۃ۔ روزہ۔ حج یہ سب فرض ہیں۔

اس لئے ہر فرقہ اپنے عقائد کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا اور اپنی تاویل و تفسیر کی تائید میں ایسے دلائل بھی پیش کرتا جن کو عقلی دلائل کی بجائے عقل عام (Camman sense) کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بس یہی قدیم علم کلام ہے۔

(۱) کیا در حقیقت قرآن حکیم کے الفاظ اس قدر مجمل اور مبہم ہیں کہ ان سے ہر ہر فرقہ بغیر کسی تکلف اور تحریف معنوی کے یکساں فائدہ اٹھاتا اور اپنی تائید و توثیق کے ساتھ ساتھ انھیں الفاظ سے اپنے مخالفین کی تکفیر و تفسیق بھی کرتا ہے۔

(۲) پھر اسی کتاب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا یعنی اس کی بدولت باہمی اختلافات دور ہو گئے اور سب مسلمان دینی بھائی بن گئے اور اس نے ساری دنیا کی اصلاح معاش و معاد کے لئے صالحین کی ایک جماعت تیار کی۔

(۳) کیا خیر امت سے مراد انھیں فرقوں کا مجموعہ ہے جو ایک دوسرے سے دست و گریباں اور ایک دوسرے کے خلاف نہ صرف قلم و زبان سے نبرد آزما بلکہ موقع مل جائے تو جدال و قتال سے بھی نہیں چوکتے۔؟

(۴) کیا یہی وہ بہترین جماعت ہے جو ساری دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے پیدا کی گئی ہے؟

(۵) نیز جب سب کے استدلال کا دارومدار ایک ہی کتاب پر ہو تو صداقت کا معیار کیا ہے اور حق و باطل کی تمیز کس کسوٹی پر ہوگی؟

یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات کے جواب میں ان میں سے ایک اور صرف ایک ہی فرقہ آگے بڑھتا اور نہایت متانت و سنجیدگی سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کتاب کا قصور نہیں بلکہ ذہنیتوں کا قصور اور دلوں کا کھوٹ ہے۔ اس لئے حق و باطل کے معیار کو ان ذہنیتوں کے عجائب خانہ میں تلاش کرنے کی بجائے واقعات پر نظر ڈالیں تو صاف ظاہر ہے کہ حق وہی ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صحابۂ کرام قائم تھے۔ کیونکہ یہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ یہ فرقہ اپنی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "میرے بعد میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی جن میں سے ایک ناجی اور باقی سب ناری ہیں" ناجی وہی فرقہ ہے جو میری اور میرے اصحاب کی پیروی کرے گا اس لئے یہ فرقہ اپنے آپ کو سنت جماعت اور دوسرے فرقوں کو اہل اہوا اور مبتدعین کہتا ہے۔

یہ اپنے علم کلام کو کلام محمود اور دوسرے فرقوں کے علم کلام کو کلام مذموم کہتا ہے۔

اس فرقہ کے بھی دو مکتبہ خیال ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ ان دونوں میں باہم کچھ جزئی اختلافات ہیں مگر ان کی بنا پر یہ ایک دوسرے کی تکفیر یا تفسیق نہیں کرتے امام ابوالحسن اشعریؒ کے پیرو اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کے پیرو ماتریدیہ کہلاتے ہیں۔

امام ابوالحسنؒ مسائل فقہیہ میں امام شافعیؒ کے مقلد اور امام ابو منصورؒ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے جب سنت جماعت کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ دونوں اشاعرہ اور ماتریدیہ ہوتے ہیں مطلق علم کلام سے عموماً اہل سنت ہی کا علم کلام مراد لیا جاتا ہے۔

اہل سنت نے اپنے عقاید کے اثبات اور مخالفین کی تردید کے لئے جس علم کلام کی تدوین کی اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم کلام ہے جس میں اہل اہوا اور مبتدعین کی تردید کی جاتی ہے دوسرا وہ علم کلام ہے جس کی تجدید فلسفہ یونان کے مقابلہ میں ہوئی یہ گویا جدید علم کلام ہے جس کی ابتدا امام غزالیؒ نے کی اور جس کو امام رازیؒ نے معراج کمال پر پہنچا دیا۔ یہ علم کلام گویا اسلامی فلسفہ مشابہ ہے جس میں حسب ذیل چھ اصولی عنوانات سے بحث ہوتی ہے۔

(۱) مبادیات

(۲) امور عامہ

(۳) اعراض

(۴) جواہر

(۵) الہیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶) سمعیات یعنی وہ مسائل جن کے دلائل صرف سمعی ہوتے ہیں کلام کا یہ حصہ عقلیات کا مد مقابل ہے۔

پھر سمعیات کے تحت حسب ذیل چار اصولی مباحث ہیں۔

(۱) مباحث النبوۃ

(۲) مباحث المعاد

(۳) مباحث الاسماء والاحکام اور ان کے متعلقات

(۴) مباحث امامت

امامت کی تعریف علامہ تفتازانی نے یہ کی ہے کہ الامامۃ ریاسۃ عامۃ فی امر الدنیا والدین خلافۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امامت دنیوی اور دینی امور کی عام ریاست کا نام ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہے۔

علم کلام سے امامت کی بحث کے تعلق کی نسبت لکھتے ہیں اگرچہ یہ ایک فرعی مسئلہ اور ایسا امر ہے جو فرعی احکام میں داخل ہے مگر اس کے متعلق اہل بدعت میں چونکہ ایسے فاسد عقیدے پھیل گئے ہیں جو بہت سے دینی قواعد کے مخل ہیں اس لئے امامت کے مباحث کو بھی علم کلام میں شریک کر لیا گیا[1]

امامت سے متعلق اہل سنت کے علم کلام میں حسب ذیل مباحث ہیں۔

(۱) نصب الامام

(۲) تکلیف۔ حریت۔ $\frac{\text{ذکوٰۃ}}{\text{مرد ہونا}}$ (یعنی اوصاف امام)

(۳) طریق ثبوت

(۴) جمہور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی صراحت نہیں فرمائی۔

---

[1] شرح مقاصد جلد دوم ص ۲۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ امام ہوئے۔

(۶) اہل سنت کے یہاں مدارجِ فضیلت بھی بہ لحاظِ ترتیب خلافت ہیں۔

ان میں سے پہلی بحث نصب الامام کے متعلق علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ خاص صفات کے امام کا نصب فرض کفایہ ہے اور کتب فقہ میں بھی مذکور ہے کہ امت کے لئے ایسا امام ضروری ہے جو دین کا احیاء اور سنت کو قائم کرے۔ مظلوموں کے انصاف اور مستحقین کے حقوق کی حفاظت کرے دوسری شرط یعنی اوصاف امام کے متعلق کہتے ہیں کہ امام کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں

(۱) وہ مکلف ہو (یعنی عاقل و بالغ ہو)

(۲) مسلمان ہو

(۳) عادل ہو

(۴) آزاد ہو

(۵) مرد ہو

(۶) مجتہد ہو

(۷) بہادر ہو

(۸) صاحب رائے و کفایت ہو۔

(۹) سمیع ہو۔ (یعنی بہرا نہ ہو)

(۱۰) بینا ہو۔ (یعنی اندھا نہ ہو)

(۱۱) گویا ہو (یعنی گونگا نہ ہو)

(۱۲) قریشی ہو۔ اگر ایسا قریشی نہ مل سکے جس میں یہ سب صفتیں جمع ہوں تو کسی کنانی کو (جو ان صفات کا جامع ہو) والی بنا دیا جائے اگر ایسا کنانی بھی نہ مل سکے تو اولادِ اسمٰعیل میں سے کسی ایسے شخص کو والی بنایا جائے جو ان صفات کا جامع ہو۔ اگر بنی اسمٰعیل سے بھی کوئی ایسا شخص نہ مل سکے تو کسی عجمی شخص کو (جو ان صفات کا جامع ہو) والی بنایا جائے۔ امام کا ہاشمی یا معصوم ہونا یا اس کا ان لوگوں سے جن کا وہ والی بنایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جارہا ہے افضل ہونا اہل سنت کے پاس) مشروط نہیں ہے۔

مسئلہ امامت ان اختلافی مسائل میں سے ہے جس پر تلوار اور قلم دونوں نے اپنی پوری پوری قوت صرف کی، علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ

"واعظم الخلاف بین الامۃ خلاف الامامۃ اذ ماسل سیف فی الاسلام علی قاعدۃ دینیۃ مثل ماسل علی الامامۃ" یعنی اس امت کے اختلافی مسائل میں امامت کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ہے کیونکہ کسی دینی قاعدہ پر اتنا کشت و خون نہیں ہوا۔ جتنا کشت و خون ہر دور میں امامت کے لئے ہوا۔

تلوار کے جوہر اور کارنامے مٹ گئے صرف ان کا تذکرہ تاریخ کے صفحات پر رہ گیا۔ مگر قلم کے جوہر آج تک کاغذ کے صفحات پر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ اور اس مسئلہ سے متعلق علم کلام قدیم اور جدید دونوں دوروں میں جو کچھ ان کا ملخص اور اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت اور ان کے مخالفین دونوں کے خیالات اور مباحث کو جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں علامہ شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے اپنی کتاب "نہایت الاقدام فی العلم الکلام" میں لکھا ہے وہ میری محدود نظر میں اپنی آپ نظیر ہے اصل کتاب یورپ میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ چھپی ہے۔

اسی بحث کا یہ اردو ترجمہ ایک مختصر سے مقدمہ کے ساتھ پیش ہے کیونکہ اس زمانہ میں "مملکت اسلامی" کا مسئلہ ارباب غور و فکر کا موضوع بحث ہے اور قطعاً یہ سوالات پیدا ہو رہے ہیں کہ

(۱) اسلامی مملکت کس کو کہتے ہیں آیا وہ جمہوری حکومت ہے یا آمری یا عمومی؟

(۲) اس مسئلہ کا شریعت سے کیا تعلق ہے؟

(۳) صدر حکومت یا امام کن اوصاف سے موصوف ہونا چاہیے؟

(۴) صدر حکومت یا خلیفہ اور امام کے اختیارات و فرائض کیا ہیں؟

(۵) حق رائے دہی اور انتخاب کس کس کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ؟

عـہ شرح المقاصد جلد دوم ص۲۷۱ عـہ الملل والنحل للشہرستانی جلد اول ص۲۵ برحاشیہ الملل والنحل لابن الحزم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی وہی قدیم بحث پھر تازہ ہوگئی ہے ایسی حالت میں جو لوگ اردو زبان میں قدیم مباحث کو ملخصاً نیز اور اس کے متعلقہ موجودہ سوالات کی حل میں افکار قدیمہ کے نتائج سے مدد لینا چاہیں محض ان کی سہولت اور آسانی کے لئے یہ ترجمہ پیش ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ

اِمامت کا بیان

امامت ان اصول اعتقاد میں نہیں ہے کہ جس میں فکر کسی قطعی اور یقینی امر کا تعین کر سکے لیکن جو شخص اس میں خطا کرتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو امامت کی اصل سے ناواقف ہے زیادہ خطرہ میں ہے اور گمراہ کن خواہشات نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے اس میں انصاف نہیں ہو سکتا۔

تمام محدثین و فقہاء اشعری اور شیعہ و معتزلہ کی ایک جماعت اور اکثر خوارج امامت کے وجوب اور خدا کی طرف سے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ اہل سنت کی ایک جماعت کا قول ہے کہ امام کا مقرر کرنا اور جو امام مقرر ہو اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض و واجب ہے۔ کیونکہ سب کے لئے ایک امام ضروری ہے جو ان پر احکام نافذ اور حدود قائم کرے ان کے ملک کی حفاظت اور اطراف و جوانب کی نگرانی کرے، افواج کو ترتیب دے غنیمتوں اور صدقات کو تقسیم کرے تاکہ فصل خصومات میں وہ اس کی طرف رجوع کریں اور وہ ان کے امور اجتماعی اور عیدوں کی رعایت کرے مظلوم کی داد رسی کرے اور ظالم کو سزا دے ہر جگہ قاضیوں اور داعیوں کو مقرر کرے اور معلمین و مبلغین کو ہر طرف بھیجے۔ علم معرفت و ہدایت عقلمندوں کو تو اپنی روشن و صائب فکر سے حاصل ہے مگر جو حق و راہ راست سے ہٹ جائے تو امام کا فرض ہے کہ بہ لحاظ خطا اس کی تنبیہہ کرے اور اس کو راہ راست پر لائے اگر وہ باز آ جائے تو بہتر ورنہ اس سے جنگ کرے اور زمین کو بدعت و گمراہی سے بہ زور شمشیر پاک کر دے جو یعنی تلوار خدا کے جلال کا مظہر اور اس کے سزا کی آگ کا شعلہ اس کے عتاب کی گھاٹی۔ اور اس کے عذاب کا کوڑا ہے۔ امامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شرعی طور پر سمعاً واجب ہونے پر روشن دلیل پوری امت کا صدر اول سے ہمارے زمانہ تک اس امر پر اتفاق ہے کہ زمین کا امام سے خالی رہنا ناجائز ہے۔

صدر اول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ لوگو جو محمدؐ کی بندگی کرتا تھا (اس کو معلوم ہو جائے کہ) بے شک محمدؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو خدا کی بندگی کرتا تھا (وہ یقین رکھے کہ) خدا زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ الآیہ۔ اور نہیں ہیں محمدؐ مگر رسول گذر چکے پھر آپ نے فرمایا کہ محمدؐ نے تو اپنی راہ اختیار کی مگر اس امر (امامت) کے لئے آپ کے قائم مقام کی ضرورت ہے لہذا تم لوگ غور وخوض کے بعد اپنی آرا پیش کرو خدا تم پر رحم کرے اس پر ہر طرف سے لوگوں نے آپ کو پکار کر یہی کہا کہ اے ابوبکرؓ آپ نے بجا ارشاد فرمایا مگر ہم اس امر میں غور کر کے اپنا انتخاب پیش کرتے ہیں اور کسی نے یہ نہ کہا کہ یہ کام بغیر کسی امام کے چل سکتا ہے پھر انصار نے سعدؓ بن عبادہ کا انتخاب کیا اور کہا کہ ہم میں سے ایک امیر اور تم (یعنی مہاجرین) میں سے ایک امیر۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ثقیفہ بنی ساعدہ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں راستہ بھر ایک تقریر سوچتا رہا یہاں تک کہ ہم ثقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ میرا خیال ہوا کہ میں وہ تقریر کروں مگر حضرت ابوبکرؓ نے مجھے منع فرمایا اور خود کھڑے ہوئے اور آپ نے وہ سب کچھ بیان کیا جو میں نے سوچ رکھا تھا مگر آپ کے بیان میں نرمی تھی اور میرا بیان تلخ ہوتا۔ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی آپ سے بیعت کی جس کا قصہ مشہور ہے جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس امر میں مشورہ کرو پھر آپ نے حضرت عمرؓ کے اوصاف بیان فرما کر ان کو اپنا ولی عہد بنایا۔ اور انھیں خلافت ملی مگر حضرت عمرؓ یا کسی اور کے دل میں بھی یہ خطرہ نہیں گذرا کہ زمین کا امام سے خالی رہنا جائز ہے اور جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے خلافت کے لئے چھ ارکان کی مجلس شوریٰ مقرر فرمائی اور حضرت عثمانؓ کی خلافت پر سب کا اتفاق ہوا پھر اس کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت پر اتفاق ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ یعنی صدر اول کو ضرورت امام پر اتفاق تھا اور ان میں سے کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہ تھا۔

ایک امام کی موت کے بعد دوسرے امام کے قایم ہونے تک صحابہ کا بالاجماع احکام میں توقف کرنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس زمانہ سے ہمارے زمانہ تک ہر زمانہ میں امامت پہلے طریقہ پر یا تو اجماع امت سے یا عہد و وصیت سے یا دونوں طریقوں پر چلی آرہی ہے۔ لہذا اس طرح کا اجماع امامت کے واجب ہونے پر دلیل قطعی ہے ہمارا یہ کلام مطلقاً وجوب امامت کے متعلق ہے۔

مگر تقرر و تعین امامت کی نسبت کہ آیا وہ نص سے ثابت ہے یا اجماع سے، اس کے قائلین میں اختلاف ہے کہ نص کسی خاص شخص کی ذات کے بارے میں وارد ہوئی ہے یا اس کی صفات مذکور ہیں جو لوگ اجماع کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ اجماع امت، بلا اختلاف احدے ثبوت امامت کے لئے شرط ہے یا ارباب حل و عقد کی ایک جماعت کا متفق ہو جانا ہی کافی ہے ان کے مذاہب کو میں نے اپنی دوسری کتابوں میں بیان کیا ہے۔

اہل سنت جو اجماع کے قائل ہیں کسی خاص امام کے لئے نص نہ ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی خاص امام کے لئے نص وارد ہوتی تو ساری امت اس کی اطاعت پر مکلف ہوتی اور اس امام کی شخصیت معلوم کرنے کے لئے دلائل عقلی کارآمد نہ ہو سکتے بلکہ خبر کی ضرورت پڑتی اور یہ خبر اگر متواتر ہوتی تو ہر مکلف اس امام کی اطاعت کا واجب ہونا اپنے آپ معلوم کر لیتا ورنہ اس کی ذمہ داری اس پر اسی طرح عائد ہوتی جیسے پنج وقتہ نمازوں کی ذمہ داری عائد ہے پھر تو سلف اس امام کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے نہ تو بیعت کرتے اور نہ کسی غیر کے لئے ان کا اجماع ہوتا۔

اور یہ تو عادتاً محال ہے کہ ایک جم غفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کو سنئے اور پھر اس کو عین ضرورت کے وقت روایت نہ کرے حالانکہ امت کی اس سے مخالفت و نافرمانی اور ضرورت خاص طور پر اس روایت کے نقل کی مقتضی تھی حالانکہ وہ اسلام کے اولین اور تازہ دور میں تھے ان کی صاف باطنی ان کے عقاید کا بغض و کینہ سے پاک ہونا اور ان کی وہ باہمی الفت جو کتاب عزیز میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح مذکور ہے کہ "وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا" ایسے دواعی نقل کے موجود اور موانع ناپید تھے پھر بھی ایسی کوئی روایت نہیں بیان کی گئی تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس بارے میں سرے سے کوئی نص وارد ہی نہیں ہے۔ نیز اگر کوئی شخص امامت کے لئے متعین کر دیا گیا ہوتا تو اس شخص معین کا بھی تو فرض تھا کہ وہ امامت کا دعویٰ کرتا اور امامت کے لئے پوری جد و جہد اور اپنے حق کی حفاظت کے لئے مدافعت کرتا اور تاوقتیکہ ظالم پر اس کو غلبہ نہ ہو جائے وہ اپنے گھر میں چپ چاپ نہ بیٹھ رہتا۔ مگر کوئی ایسی روایت منقول نہیں کہ کسی نے امامت کے لئے جد و جہد کی یا اپنی نسبت کسی ایسی نص کا دعویٰ ہی کیا۔ خوارج میں سے نجدات اور قدریہ کی ایک جماعت جیسے ابوبکر اصم اور ہشام فوطی اس بات کے قائل ہیں کہ امامت شریعت کا ایسا واجب نہیں ہے کہ اگر امت اس سے باز رہے تو وہ عذاب یا ملامت کی مستحق ہو بلکہ وہ لوگوں کے معاملات پر موقوف ہے لہذا اگر وہ باہمی عدل و انصاف کریں اور تقویٰ اور نیکی میں ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں اور ہر مکلف اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتے تو انھیں کسی امام اور اس کی اتباع کی ضرورت نہیں کیونکہ تمام مجتہدین اسلام۔ علم و اجتہاد میں کنگھی کے دندانوں کی طرح ایک دوسرے کے مماثل و مساوی ہیں۔ اور عوام کی حالت اونٹوں کی سی ہے کہ سو میں ایک بھی قابل سواری نہیں ملتا تو پھر کسی پر اپنے ہی جیسے شخص کی اطاعت کیونکر واجب ہو سکتی ہے اس پر ان کی اور ایک تقریر بھی ہے کہ امت کے کسی شخص کی اطاعت یا تو رسول کے حکم صریح سے ثابت ہوگی اور تم یہ تو مان چکے ہو کہ کسی کی نسبت بھی ایسا صریحی حکم نہیں ہے یا یہ امر مجتہدین کا اختیار کردہ ہوگا اور امت کے ہر ہر فرد کا بالاجماع اس طرح اختیار کرنا کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو یہ ایسی بات ہے جو عقل و واقعہ دونوں کے خلاف ہے عقلاً تو یہ اس لئے نادرست ہے کہ انتخاب کا دار و مدار اجتہاد پر ہے اور اجتہاد کا دار مدار اس نتیجہ پر ہے جس پر کوئی عقلمند وجوہ عقلی اور سمعی کے قضایا پر تردد کے بعد پہنچے اور چونکہ ان سب کے طبائع مختلف ہیں تو لامحالہ ان کے احکام بھی مختلف ہوں گے کیا وجود اتفاق کے احکام کی خلافت اولیٰ زیادہ مستحق نہیں ہے اور شریعت میں سب سے بہتر زمانہ پہلا زمانہ ہے اور بہ لحاظ صدق و اخلاص صحابہ سب سے افضل ہیں اور صحابہ میں بہ لحاظ عدم تہمت و خیانت مہاجرین و انصار زیادہ امین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سب سے زیادہ مقرب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں پھر دیکھو انصار ثقیفہ بنی ساعدہ میں کس طرح علیحدہ جمع ہو گئے اور انھوں نے کیسے کہا کہ ہم میں سے ایک امیر اور تم میں سے ایک امیر اور سعد بن عبادہؓ پر ان کا اجماع کیوں کر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا تدارک اس طرح کیا کہ خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی یہاں تک کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو گئی پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خبردار حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ایک اچانک واقعہ تھا خدا اس کے شر سے محفوظ رکھے پھر جو اسی طرح کرے اس کو قتل کردو آیندہ جو شخص بھی بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے تو اس پاداش میں وہ دونوں گردن زدنی ہیں یعنی میں نے بغیر جماعت کے مشورہ کے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خدا اس کے شر سے بچاتے اور تم پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور بیعت کے وقت جماعت کا اتفاق نہ تھا۔ دوسرے دن جب لوگوں نے بیعت کی بنی امیہ اور بنی ہاشم علیحدہ ہو گئے یہاں تک کہ ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم خلافت کو قریش کے بدترین قبیلہ میں کیوں جانے دے رہے ہو۔ حضرت علیؓ نے ان کو جواب دیا کہ تم بحالت کفر ہمارے خلاف فتنہ انگیزی کر چکے ہو اب ہم میں پھر فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم مسلمان ہو۔ حضرت عباسؓ نے بھی اسی طرح کہا اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ تم میرے اور بقیہ امت کے باپ ہو۔ جب تک شب و روز کا اختلاف ہے (یعنی ہمیشہ) خلافت تمہاری اولاد میں رہے گی اور حضرت علیؓ بیعت کے لئے نہیں نکلے یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ایک بیعت خفیہ طور پر ہوئی اور ایک علانیہ ہوئی اور اسامہؓ بن زید جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا اپنے لشکر کے ساتھ نکل چکے تھے ان کا قول ہے کہ جب ایسی اہم اور بڑی باتوں میں اجماع نہیں ہوا تو یہ اس امر پر دلالت ہے کہ اجماع کبھی ہوا ہی نہیں اور اجماع دلیل شرعی نہیں ہے ان کا قول ہے کہ امامت کو انتخاب سے قایم کرنے پر دو اعتراض پڑتے ہیں۔

(۱) صاحب انتخاب امام پر نصب (امام بن جانے کو) واجب کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ امام ہو جائے مگر جب وہ امام ہو جاتا ہے تو اس کی اطاعت اس شخص پر بھی واجب ہو جاتی ہے مگر وہ تو اسی کے بنانے سے امام بنا ہے پھر اپنی (بنائی ہوئی) امامت کی بدولت وہ کیسے واجب الطاعۃ ہوا۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہر وہ مجتہد جو امامت کو قایم کرتا ہے اگر مسائل اجتہادی میں اپنے اجتہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر امام سے اختلاف کرے تو اس (مجتہد) کے لئے یہ جائز ہے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں تم نے امام کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہو مگر اسی کے ساتھ مجتہد کو اپنے اجتہاد سے کام لے کر اس میں اپنے امام سے اختلاف جائز ہے پھر ہم اس کو واجب الطاعۃ امام کیسے بنائیں اس شرط کے ساتھ کہ مجتہد امام کی مخالفت بھی کرے جب کہ اس کا اجتہاد اس کے مخالفت کی اجازت دے ان کا قول ہے ا یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ امامت شرعاً واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی ایسے رتیں کی ضرورت پیش آتے جو دائرۂ اسلام کی حمایت کرے اور پراگندہ جماعتوں کو ایک مرکز پر جمع کرے اور ان کا اجتہاد اس کا مقتضی ہو کہ وہ اپنا ایک سردار مقرر کرلیں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ سردار عدل وانصاف پر کاربند رہے اور اگر وہ کسی مقدمہ میں ایک شخص پر بھی ظلم کرے تو اس کو علیحدہ کردینا ان پر واجب ہے جیسا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ کیا گیا کیونکہ جب عثمانؓ سے غلطیاں سرزد ہوئیں تو لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو علیحدہ کردیا اور جب وہ علیحدہ نہ ہوئے تو انھوں نے حضرت کو قتل کردیا۔ اور جب حضرت علیؓ حکم بنانے پر راضی ہو گئے اور اپنی امامت میں شک کیا تو ان کی بھی علیحدگی عمل میں آئی اور ان سے جنگ ہوئی۔

شیعوں کا قول ہے کہ دین میں امامت عقلاً اور شرعاً دونوں طرح واجب ہے جس طرح کہ نبوت فطرت میں عقلاً وسمعاً واجب ہے۔ امامت کا وجوب عقلی لوگوں کے اس احتیاج سے ظاہر ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا امام ضروری ہے جو احکام شریعت کی حفاظت کرے اور ان کو دینی حدود کی رعایت پر آمادہ کرے۔ اور یہ ضرورت ویسی ہی ہے جیسے لوگوں کو ایک صاحب شریعت رسول کی ضرورت ہے جو ان کے لئے احکام شریعت مقرر کرے اور ان کو حلال وحرام سے واقف کرائے۔ مخلوق کو جس طرح تمہید شریعت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بقاء شریعت کی بھی ضرورت ہے جب پہلی واجب ہے خواہ اس کا وجوب خدا کے لطف وکرم سے ہو خواہ حکمت عقلی سے تو دوسری بھی واجب ہے۔

امامت کا سمعاً واجب ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اولی الامر کی اطاعت وپیروی کریں چنانچہ ارشاد ہے کہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" یعنی خدا اور رسول اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ پھر جب امام واجب الطاعۃ موجود نہ ہو تو ہم پر یہ تکلیف کس طرح لازم آئے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خدا کا حکم ہے کہ "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ پھر اگر امامت میں واجب الطاعۃ صادقین موجود نہ ہوں تو ان کا ساتھ دینا ہم پر کس طرح واجب ہوگا اور یہ نا ممکن ہے کہ خدا کسی انسان کو اس پر مکلف کرے کہ فلاں شخص کے ساتھ ہو جاؤ اور وہ فلاں شخص دنیا میں موجود ہی نہ ہو۔ اور جب دنیا کسی صادقِ مطلق سے خالی نہیں ہے تو اس شخص کی عصمت کا وجود ثابت ہے کیونکہ عصمت سے ہماری مراد تمام اقوال کی صداقت ہی ہے اور جو تمام اقوال میں سچا ہوگا وہ تمام احوال میں بھی صالح ہوگا۔

انھوں نے اس کی ایک دوسری تقریر بھی کی ہے کہ جس طرح صحابہؓ سے حسن ظن واجب ہے کہ "نص ظاہری کو چھوڑ کر انتخاب سے کام نہیں لیتے کیونکہ وہ ان برگزیدہ ہستیوں میں ہیں جن کو تقدمِ ایمان اور اولیتِ اسلام کا شرف حاصل ہے اسی طرح رسولؐ سے بھی حسن ظن واجب ہے کیونکہ جب رسولؐ نے یہ جان لیا کہ مخلوق کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان کی پراگندہ جماعتوں کو ایک مرکز پر جمع کرے اور ان کے باہمی اختلافات کو دور کر دے اور ان کو شریعت کا پابند رکھے، مظلوم کی دادرسی کرے اور ظالم کو ظلم کی سزا دے اور ان کے لئے بہ نسبت استنجا اور موزوں پر مسح اور مٹی سے تیمم وغیرہ کے مسائل جاننے کے ایسا راہ نما زیادہ ضروری ہے جو زبان و تلوار سے مخالفت اسلام کرنے والوں کو دعوت اسلام دے اور تبلیغ کا انتظام کرے پھر جب رسولؐ نے ان میں سے ہر ہر بات میں ایسا حکم بیان کرنے سے کوتاہی نہ کی جس سے اسی باب کے دوسرے نظائر پر بھی استدلال کیا جاتا ہے تو پھر ان سب سے اہم باب کو رسولؐ نے کس طرح قطعاً چھوڑ دیا کہ اس کے متعلق کچھ بھی صراحت نہ کی اور نہ کسی شخص کے تعین کا اشارہ ہی کیا اور نہ اس کا کوئی وصف ہی بیان کیا۔ یہاں تک کہ امت میں اصول و فروع دونوں کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا ان میں سے کوئی گمراہ ہے اور کوئی راہ راست پر مگر ہر ایک کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے اور اس کا مخالف باطل پر اور ان دونوں میں کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے ان میں جاہل بھی ہیں اور عالم بھی مگر ہر شخص یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ عالم ہے اور اس کا مد مقابل جاہل اور ان دونوں کا کوئی راہ نما نہیں۔ بس اگر بندے یہ کہہ سکتے ہیں کہ "رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا" یعنی اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کسی رسول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو کیوں نہ بھیجا باوجودیکہ خدا پر کوئی سوال نہیں وارد ہوتا تو کیا پھر امت یہ نہیں کہہ سکتی کہ اے ہمارے نبی آپ نے ہمارے لئے کسی امام کو کیوں نہ معین فرمادیا کہ ہم ذلت ورسوائی اٹھانے سے پہلے اس کے ارشاد کی پیروی کریں نیز خدا نے رسولوں کو بھیجا تاکہ اس کے بعد لوگوں کو خدا کے مقابلہ میں کوئی حجت باقی نہ رہے پھر رسول نے امامت کو کیوں نہ بیان کر دیا اور کسی امام کو کیوں نہ معین فرمادیا تاکہ اماموں کے بعد لوگوں کو نبی کے مقابلہ میں بھی کوئی حجت باقی نہ رہے اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کو مخلوق کی ضرورت تو معلوم تھی مگر انھوں نے کسی کو معین نہیں فرمایا تو تم کو نبی سے حسنِ ظن نہیں ہے اور اگر تم یہ کہو کہ نبی نے معین بھی کیا اور بیان بھی فرمایا مگر لوگوں نے اتباع نہ کی تو صحابہؓ سے تم کو حسن ظن نہیں اب تم ہی بتاؤ کون سی صورت درست اور کس پر الزام لگانا بہتر ہے۔

بہرحال تمہارے آگے دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہو کہ امامت امت کے درمیان ایک امر تفویضی ہے جو مجتہدین کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ غور و فکر کرنے والے مجتہد کی فضیلت بہ مقابلہ اس شخص کے جو مرتبۂ اجتہاد سے قاصر ہے ظاہر ہو جائے اور تمام علماء حاملِ شریعت و ناقلِ دین بنائے گئے ہیں اس صورت میں سوال یہ ہے کہ اسی طرح نبوت بھی عقلمندوں کے درمیان کیوں نہ امر تفویضی ہوا۔ اگر اس کو بھی مفکرین کی فکر اور مجتہدین کے اجتہاد پر چھوڑ دیا جاتا تو لوگوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لئے رسولوں کو بھیجنے کی ضرورت نہ پڑتی اور غور و فکر کرنے والے مجتہد کی فضیلت اور کم فہم ناکارہ کی کوتاہی ظاہر ہو جاتی۔ اور خود صحابہ نے یہ طریقہ کیوں نہ اختیار کیا وہ بھی اس کو امت کے درمیان ایک امر تفویضی بنا دیتے اور امامت کی ترتیب نہ قائم کرتے اور نبی کو دفن کرنا چھوڑ کر امام کو مقرر کرنے میں نہ مشغول ہو جاتے کہ فاضل کی فضیلت اور قاصر کی کوتاہی ظاہر ہو جاتی۔

یا پھر یہ کہو کہ امامت کو نہ تو امر تفویضی بنایا اور نہ اس کو شوریٰ پر چھوڑ دیا گیا اس صورت میں تم کو نص اور تعین شخص کا ماننا لازم ہو جائے گا پھر نص بھی اس شخص کے حق میں ہو گی جو نص کا دعویٰ کرتا ہے اور جو نص کا دعویٰ نہیں کرتا بھلا اس کی تخصیص نص سے کس طرح ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ اس مسئلہ میں صرف یہی شبہ ہے جو ہم نے بیان کیا (اس کے علاوہ) امامیہ صحابہ کی شان میں جو بدگوئی کرتے ہیں اور سول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جن احادیث کا افترا کرتے ہیں وہ ایسی بیہودہ باتیں ہیں جو ہرگز اس قابل نہیں کہ ان سے کتابوں کو زینت دی جائے اور قلم سے لکھا جائے اور اسی طرح زیدیہ جو کہتے ہیں کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے زیدیہ کے پاس استحقاق امامت کے لئے چار خصلتیں درکار ہیں (۱) عفت (۲) علم (۳) شجاعت (۴) اور خروج مگر اس شخص کا فاطمی ہونا بھی مقدم ہے اس سے ہر سرزمین پر واجب الطاعۃ امام کا ہونا لازم آتا ہے اور زمین پر لاکھوں واجب الطاعۃ اور نافذ الامر ہوجائیں گے اگر ان میں سے ہر ایک فرد میں یہ خصلتیں جمع ہوجائیں۔

اہل سنت نجدات کے اس قول کا کہ امامت عقلاً و شرعاً کسی طرح بھی واجب نہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں واجب شریعت سے ہوتا ہے اور اس واجب کا پتہ اجماعِ امت سے چلتا ہے اور تم نے تعین امام کے بارے میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ اس امر کی ادنیٰ دلیل ہے کہ اصل امامت واجب ہے ورنہ وہ لوگ نہ تو کسی کو معین کرتے اور نہ اس کے لئے ایسی سرگرمی سے کام لیتے، رہی یہ بات کہ اجماعِ امت آیا دلیلِ شرعی ہے اور ایسے اجماع کا واقع ہونا تصور بھی کیا جاسکتا ہے جو اجتہاد سے اس طرح صادر ہو کہ اس میں اختلاف کا تصور نہ ہوسکے ایسی ہے کہ عقلاً تو ایسے اجماع کا تصور جائز ہے کیونکہ دو شخصوں کا ایک رائے پر متفق ہوجانا عقلاً ناجائز نہیں اور جب دو شخصوں کی رائیں متفق ہوسکتی ہیں تو تین چار بلکہ سب کی رائیں متفق تصور کرنے میں کون امر مانع ہے۔ صدر اول میں تو اس کا وقوع فرض کرنا تمام مفروضات سے آسان تر ہے کیونکہ صحابہؓ کی دو ہی قسمیں تھیں۔ مہاجرین و انصار اور ان میں بھی اہل الرائے اور اجتہاد کا مرتبہ رکھنے والے محض گنے چنے تھے جن کا ایک مجلس میں جمع ہو کر کسی امر کی نسبت باہمی تبادلہ خیال کے بعد ایک رائے پر متفق ہوجانا اور ان میں سے کسی کا بھی اس سے انکار نہ کرنا ممکن ہے۔ اجماع کا دلیل ہونا تو ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ صحابہ کا جب کسی امر پر اجماع ہوتا ہے تو ان کا یہ اتفاق بغیر کسی نص خفی کے نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ یہ نص بعینہٖ اسی امر کے متعلق ہے یا اجماع کے حجت ہونے پر ہے پھر بسا اوقات یہ نص صحابہ کے پاس متواتر ہوتی ہے حالانکہ ہمارے نزدیک وہ خبرِ احاد ہے جس کی وجہ سے کسی ایسے اضمارِ قطعی کی ضرورت ہے جس کی بنا پر اس کو حجت قرار دیا جاسکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر اجماع ایک قرینہ ہے جو اس پر قطعی دلالت کرتا ہے اور وہ متواتر احادیث کی طرح ہو جاتی ہے لہٰذا اس خبر کا یقین عدد سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ قرینہ سے اس کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ اجماع کے حجت شرعی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو شخص اجماع کا خلاف کرتا صحابہ اس کو ملامت کرتے اور گمراہ قرار دیتے صحابہ اہل اجماع کے استناد پر اعتراض نہ کرنے کو جائز رکھتے اور اجماع میں کبھی قرینہ قولی سے استناد کیا جاتا اور کبھی ایسے قرینہ فعلی سے استناد ہوتا جو صحابہ کے لئے تو مفید علم ہوتا مگر الفاظ میں اس کی تعبیر ہو سکتی اور کبھی ایسی کھلی ہوئی بات بھی ہوتی کہ اگر صحابہ اس کی صراحت کر دیں تو اس مسئلہ میں وہ ایک ثابت دلیل ہو۔ اور اگر صراحت نہ کریں تو ان کا اجماع ہی کافی ہے۔

شیعوں کا یہ قول درست نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی امامت پر سب لوگوں کا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ کوئی صحابی ایسے نہیں جنہوں نے بیعت نہ کی۔ بیعت کے وقت حضرت علیؓ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف اور آپ کی جدائی کے صدمہ سے بہت مغموم تھے اس لئے ان کے پاس نہیں گئے مگر جب آپ نے دیکھا کہ لوگ داخلِ بیعت ہو چکے ہیں تو آپ نے بھی بیعت کر لی اور ان کا انکار تو کہیں بھی مذکور نہیں۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ امامت قایم کرنے کا اجماع یہ ہے کہ اول تو اجماع کرنے والوں کی طرف سے خود امام پر یہ واجب کریں کہ وہ ان کے لئے واجب الطاعۃ ہو جائے پھر اس کے بعد معاملہ برعکس ہو جاتا ہے اور ان لوگوں پر امام کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

ہمارا جواب ہے کہ یہ تو اس وقت ہوتا جب کہ اجماع کا وجوب خود اجماع کرنے والوں پر منحصر ہوتا حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ وجوب کا استناد صاحب شریعت علیہ السلام کی نص خفی یا نص جلی سے ہوتا ہے اس لئے دراصل نص ہی واجب کرنے والی ہے اور اجماع وجوب کا ظاہر کرنے والا ہے اور یہی اس کے معلوم کرنے کا بہترین طریق ہے نہ کہ اس شخص کا قول حجت ہو سکتا ہے جس کی صداقت کا عدمِ ثبوت ایک بدیہی امر ہے۔

شیعوں کا سوال ہے کہ اگر ہر مجتہد کسی مسئلہ میں اپنے امام کے خلاف کرے تو جائز ہوگا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارا جواب ہے کہ ہاں چونکہ وہ بھی امام کی طرح مجتہد ہے اور مجتہد کے لئے مجتہد کی تقلید جائز نہیں مگر وہ اس اجماع سے اختلاف نہیں کرسکتا جو بہ استناد نص اس کی امامت پر ہوا ہے البتہ وہ کسی دوسرے مسئلہ میں امام سے اختلاف کرسکتا ہے اور یہ جائز ہے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اجتہاد یہ ہوا کہ جو لوگ مرتد ہو گئے اور جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتے ان سے جنگ کریں اور ان کے بال بچوں کو قید کرلیں اور ان کے اموال کو غنیمت قرار دیں اور حضرت عمرؓ کا اجتہاد یہ ہوا کہ ان کے قیدی انھیں واپس کردئے جائیں اور انھیں واپس کردیا۔ فرائض۔ دیت اور ایجاب رجم کے کتنے ہی مسائل ہیں جن میں صحابہ نے آپ سے اختلاف کیا اور حضرتؓ نے اپنا اجتہاد چھوڑ کر ان کے قول کی طرف رجوع کیا اور یہ اس لئے ہوا کہ اماموں کے لئے عصمت واجب نہیں ہے ان سے خطا اور کبائر کا صدور بھی ممکن ہے اجتہاد

ان کے اس قول کا کہ "لوگ اگر باہمی عدل و انصاف سے کام لیں تو انھیں امام کی ضرورت ہی نہیں" جواب یہ ہے کہ گو عقل کے نزدیک یہ بات جائز ہے جیسے شریعت وارد ہونے سے پہلے غور و فکر کرنے والوں کی فکر راہ راست پر ہو سکتی ہے لیکن عادت یہی ہے اور یہی عملدرآمد ہے کہ لوگ از خود انصاف اور شریعت کے راستوں پر نہیں ٹھہرتے تاوقتیکہ ایسا حاکم نہ ہو جو ان کو ڈرا کر اور سختی کے ساتھ اس کا پابند کرائے اور یہ کام بغیر سیاست امام و بغیر خوف شمشیر اور ظالم پر سختی کئے بغیر نہیں چل سکتا۔

شیعوں کے اس قول کا کہ "امامت یا تو واجبات عقلی میں ہے" ہم جواب دے چکے ہیں۔ تقرر امام واجب ہونے کا استناد اجماع سے ہے جو نص شرعی پر دلالت کرتا ہے ان کا یہ قول کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اولی الامر کی اطاعت اور صادقین کی پیروی کا حکم دیا ہے" یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مطلق امام کی اطاعت واجب ہے لیکن اس تخصیص میں کلام ہے کہ آیا وہ شارع کے معین کرنے سے بر بنائے نص معین ہوا ہے یا اہل اجماع کے معین کرنے سے اس کا تعین ہوا ہے پہلی بات ثابت نہیں کیونکہ وہ ثابت ہوتی تو اس کی روایت بھی کی جاتی ایسے موقع پر جب کہ لوگ امام کے متعین کرنے میں اختلاف کر رہے ہوں سلطری تو ممکن یا ان میں سے ایک شخص کا بھی خاموش رہنا تصور میں نہیں آسکتا ان کے مقابلہ میں کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب انصار نے دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے جن کے پاس امامت کے لئے تخصیص قریش کی نص تھی روایت کی اور انصار اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے اور امامت از روئے نص قریش کے لئے مختص ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح اگر کسی کے پاس بنی ہاشم کی تخصیص کے متعلق نص موجود ہوتی تو وہ اس کو بھی بیان کرتا تاکہ نزاع رفع ہو جائے کیونکہ انصار کی نزاع قریش سے ویسی ہی ہے جیسی قریش کی بنی ہاشم سے اور بنی ہاشم کی حضرت علیؓ سے۔

یہ عجیب بات ہے کہ تخصیص قریش والی حدیث خبر متواتر نہ تھی ورنہ انصار شرکت خلافت کا دعویٰ ہی نہ کرتے انھوں نے خبر احاد کے آگے تو سر تسلیم خم کر دیا پھر ان کی نسبت یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خبر متواتر کی اطاعت نہ کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ تو امامت کو غیر قریش بلکہ موالی کے لئے بھی جائز سمجھتے تھے جب ہی تو آپ نے فرمایا کہ اگر حذیفہؓ کے مولی سالمؓ زندہ ہوتے تو مجھے خلافت کے بارے میں کوئی شک و خلجان نہ رہتا۔ نیز تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ امامت کے لئے کوئی نص نہیں ہے حالانکہ تخصیص قریش کے متعلق نص موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام قریش کے بنائے جائیں تمہارے پاس اس شخص کا کیا جواب ہے جو یہ کہتا ہے کہ جب تمام مسلمانوں سے قریش کی تخصیص نص سے ثابت ہوتی ہے تو قریش میں سے بنی ہاشم کی تخصیص بھی نص سے ثابت ہونا جائز ہے۔ تم نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ ثبوت نص محال ہے اور امامت کے حکم کو اجماع سے متعلق کر دیا پھر کہا کہ اجماع نص پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ وہ دلیل شرعی ہو جائے پس تم امامت کو نص سے متعلق کر چکے۔ تم نے یہ دعویٰ کیوں نہ کر دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر نص موجود ہے نص کے بطلان اور اجتہاد کو ثابت کرنے کے لئے ایک باب قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جس حدیث کی روایت کی اس کو حضرت عمرؓ نے تسلیم فرما لیا اور انھوں نے یہ ظاہر نہ فرمایا کہ وہ غیر قریش کے لئے امامت کو جائز تصور کرتے ہیں کیونکہ سالمؓ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ قریش کی طرف منسوب ہیں اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں کوئی خلجان نہ رہتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کی نیک کرداری اور امانت داری کی شہادت دی ہے وہ نص خفی جس پر اجماع مشتمل ہوتا ہے میری جان کی قسم قطعاً لازمی ہے جبکہ امامت بغیر اجماع کے نہیں ثابت ہوتی اور اجماع بغیر نص کے نہیں ثابت ہوتا تو امامت بغیر نص کے نہیں ثابت ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب یہ ہے کہ وہ نص جو اجماع کے ضمن میں ہوتی ہے کبھی امامت کے متعلق ہوتی ہے کبھی اجماع کے حجت ہونے کے متعلق ہوتی ہے لہذا دونوں امور کا احتمال ہوا اس لئے ہم حضرت ابوبکرؓ کی نسبت نص ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

بعض وقت یہ نص ظاہری نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کے پاس قرینۂ حال ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ حاضرین بارگاہ رسالت ہیں اس لئے بعض دفعہ ان کو اس کا قطعی علم ہوتا ہے اور ان کے آگے غیر ظاہر بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کا انھیں یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اجماع صرف اس وجہ سے حجت ہے کہ اجماع کرنے والے اپنے مجموعہ میں خطا، کفر اور گمراہی سے معصوم ہوتے ہیں اگرچہ انفرادی طور پر ان کے لئے یہ باتیں ممکن ہیں اس امت کے مجموعہ کی عصمت ایک شخص کی عصمت کے قائم مقام ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک حکم کسی مجموعہ کے لئے بہ حیثیت مجموعہ ہونے کے تو خبر متواتر سے ثابت ہو اور انفرادی طور پر ان میں سے کسی پر بھی ثابت نہ ہو لہذا اس میں شک نہیں کہ علم تو اس کے مجموعہ سے حاصل ہوا ہے اگرچہ اس کے افراد سے نہیں حاصل ہوا جس طرح پیالوں سے نشہ اور لقموں سے سیری حاصل ہوتی ہے اور اسی پر محمول ہے یہ ارشاد خداوندی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اور خدا کا یہ ارشاد کہ

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وہ مومنین کے راستہ کے سوا دوسرا راستہ چلتا ہے

ان کے وارد کردہ اشکال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کے بعد کون آپ کا قائم مقام ہوگا اور مسند امامت پر بیٹھے گا بس اگر آپ اپنے اصحاب کو ان باتوں کی خبر دیتے تھے جو آپ کے بعد قیامت تک پیش آنے والی ہیں یعنی فتنہ، بلائیں، دجال کا نکلنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین میرے لئے روشن کر دی گئی ہے اور مجھے اس کے مشارق و مغارب دکھائی دیئے گئے اور قریب ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا جو میرے آگے روشن کیا گیا اور آپ اپنے اصحاب عشرہ مبشرہؓ کو ان میں سے ہر ایک جو کچھ کرتا اور جو تقدیر اس پر جاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی بتادیا کرتے تھے اور آپ نے حضرت علیؓ کو خبر دی ہے کہ تم عہد شکن، ظالم، بے دینوں سے جنگ کرو گے اور ذوالخویصرہ والی حدیثؓ تو مشہور ہے کہ جب اس نے آنحضرتؐ سے منافقانہ تکرار کی تو آپ نے اس کی نسبت پیشین گوئی فرمائی کہ یہ شخص خوارج میں مل جائے گا جن کی علامت یہ ہوگی کہ ان میں سے ایک شخص ذوالثدی ہوگا صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری بھی اسی طرح آزمائش ہوگی جس طرح میری آزمائش ہوتی ہے چنانچہ آپ کی یہ پیشین گوئی بوقت تحکیم پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے حالات کی آپ کو خبر دی ہے جیسے فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ان کو زمین پر خلیفہ بنائیں گے اور قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِي بَأْسٍ شَدِيْدٍ پیچھے رہنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تم بہت جلد ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت خوفناک ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرتؐ کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک یا دو ڈول کھینچے اور حضرت عمرؓ بہت طاقت و شدت سے کھینچتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی بڑے سے بڑے طاقت ور کو اس خوبی سے کھینچتے نہیں دیکھا اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ

عہ اس واقعہ کو امام بخاری نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ عبداللہ ذوالخویصرہ آیا اور آنحضرتؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ عدل کیجئے آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون عدل کرے گا اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا اگر حکم ہو تو اس کا سر اڑا دوں مگر آنحضرتؐ نے ان کو باز رکھا۔ اور اس کی نسبت پیشین گوئی فرمائی کہ آئندہ یہ شخص خوارج میں شریک ہو جائیگا۔ اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے جن کی نمازوں کے آگے تم کو اپنی نمازیں حقیر معلوم ہوں گی اور جن کے روزوں کے آگے تمہیں اپنے روزے حقیر دکھائی دیں گے مگر حقیقتاً دین سے ان لوگوں کو کوئی واسطہ نہ ہوگا اور ان کی یہ علامت بیان فرمائی کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ذو الثدی ہوگا۔ ابوسعیدؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی اور جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جو خوارج مارے گئے ان میں ایک نعش ایسے شخص کی برآمد ہوئی جس کا ایک ہاتھ عورت کی پستان کی طرح تھا۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو دو جگہ لکھا ہے مگر یہ جملہ (یخرج من ضئضئ ھذا الرجل) کسی جگہ بھی نہیں لکھا بخاری شریف جلد اول ص۵۰۹ مطبوعہ مصطفائی۔

باب علامات نبوت اور باب ترک قتال خوارج

جلد اول ص۵۰۹ جلد دوم ص۱۰۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عمرؓ کی اقتدا کرو۔

لہٰذا یہ تو بالکل بعید از قیاس ہے کہ خدا نے آپ کو یہ نہ بتایا ہو کہ آپ کے بعد کون آپ کا خلیفہ ہوگا مگر یہ بعید نہیں ہے کہ آپ نے یہ کسی پر ظاہر نہیں فرمایا اور نہ کسی شخص ہی کو مقرر فرمایا کیونکہ آپ کو اس کا حکم نہیں ہوا تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ اس پر مامور تھے تو پھر نص و اظہار دونوں قطعاً لازمی ہیں۔ بے شک خدا نے آپ کو ہادی مہدی اور سراج منیر بنا کر بھیجا جیسے ارشاد ہے کہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ الآیہ خدا وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ نے غدیر خم کے روز اس کو ظاہر فرما دیا کہ لوگوں کو (نخلستان) دوحات میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خطبہ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرمایا کہ میں جس کا مولیٰ ہوں علیؓ اس کے مولیٰ ہیں بار خدایا جو ان کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ اور جو ان کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو ان کو چھوڑ دے تو بھی اس کو چھوڑ دے اور ہمیشہ حق کو ان کے ساتھ ساتھ رکھ اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ اے رسول آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو اترا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے نہیں پہنچایا تو آپ نے خدا کی رسالت کا حق ادا نہ کیا ارشاد نبوی من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ کے معنی لوگوں نے خلافت ہی سمجھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ علیؓ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ ہر مومن مرد اور عورت کے مولیٰ ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے لئے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور آنحضرت یہ بھی فرما چکے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کے دروازہ ہیں اس کے سوا ایسی اور احادیث بھی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسی احادیث تمہاری تشفی کے لئے کافی ہیں تو ایسی ہی احادیث حضرت ابوبکرؓ کی شان میں ہم سے بھی سنو۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دوات لاؤ اور اپنے شانہ کا سہارا دو تاکہ میں ابوبکرؓ کے لئے ایسی تحریر لکھوا دوں جس پر دو شخص بھی اختلاف نہ کریں اور آپ نے فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اگر تم ابوبکرؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اپنی ذات میں کمزور اور خدا کے حکم میں قوی ہیں اور اگر تم عمرؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو تم دیکھو گے کہ وہ اپنی ذات اور خدا کے حکم دونوں میں قوی ہیں اگر تم عثمانؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو وہ تم کو سیدھی راستہ چلائیں گے اگر علیؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو تم انھیں ایک ایسا ہدایت یافتہ راہنما پاؤ گے جو تم کو صراط مستقیم کی طرف لے جا رہا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ جب تک قریش کے دو شخص بھی باقی ہیں یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا محدثین بیان کرتے ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی اور اسکے کچھ ہی دنوں بعد آپ علیل ہوئے تو حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ خاندان عبدالمطلب کے چہرے پر موت کے جو آثار ہوتے ہیں میں ان سے واقف ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آرہا ہوں آپ کے روئے انور سے موت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں میرے ساتھ آپ کی خدمت میں چلو آپ سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ اگر خلافت تم میں رہتی ہے تو خیر اور اگر دوسری طرف میں جاتی ہے تو حضور اس شخص (خلیفہ) سے تمہارے لئے وصیت فرما دیں مگر حضرت علیؓ نے اس سے انکار کر دیا۔ حضرت عباسؓ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس گئے اور اس امر میں حضرت سے گفتگو کی تو آپ نے وہ خطبہ پڑھا جو مشہور ہے اور اس کے آخر میں آپ کا ارشاد ہوا کہ جو شخص اس امر کا والی ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے۔ اور خطاکاروں سے درگذر کرے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش کے لئے وصیت فرمائیے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تم کو میرے اہل بیت و عترت کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرا گوشت ہیں لہذا ان کی بھی ویسی ہی حفاظت کرو جیسی تم آپس میں کیا کرتے ہو یہ سب احادیث انتخاب پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ ہم نے تو کہا ہے کہ تعین امام کا علم نص سے ہوتا ہے نہ کہ انتخاب سے کیونکہ امام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خاص خاص صفات سے موصوف ہو جن میں عصمت، عقل، علم، شجاعت اور عفت کے ساتھ عدل و انصاف بھی داخل ہیں اور اجتہاد یا گمان غالب ان صفات اور ان کی مقدار کے سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ یہ امور رسول کی ایسی نص کے بغیر معلوم ہی نہیں ہو سکتے جس کا استناد وحی خداوندی کی طرف ہو اور تم حسب امور کو ان کے حالات ظاہری کے نظر کرنے انتخاب کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو تو اس کے بھی قائل ہو کہ ممکن ہے کہ امام باطنی طور پر بے دین ہوں، خدا اور رسول پر جھوٹ بولیں اور حدودِ شرعی کو معطل اور حقوق کو باطل کر دیں اور متشابہات قرآنی کی بے جا تاویلات کریں، احادیث کو غلط طریقوں پر روایت کریں خدا اور رسول پر بہتان لگائیں کیا یہ واقعہ نہیں کہ بنی امیہ نے اہل بیت کو ستایا ان کو قتل کیا ان کی توہین کی اور ان کے مالوں کو حلال کر لیا رعایا پر ان کا ظلم و ستم اور ان کا فسق و فجور میں مبتلا رہنا کوئی چھپی ہوئی بات نہیں پھر اس کا کیا اطمینان ہے کہ ظالم اماموں کی سپردی تم کو عذاب دوزخ میں نہ مبتلا کرے گی اور وہ لوٹنے کی بہت بڑی جگہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ صفتِ امامت پر علامات سے استدلال کیا جانا جائز ہے اقوال علم و فضل پر اور افعال کی خوبی عفت پر دلالت کرتی ہے اور مہارتِ جنگ سیاست و شجاعت پر دلالت کرتی ہے جس طرح گواہی اور قضا کے لئے افعال سے استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح ان صفات پر بھی استدلال ہوتا ہے جو امامت کے لئے مشروط ہیں اگر اس کے بعد امام سے جہالت، ظلم، گمراہی یا کفر سرزد ہو تو وہ خود امامت سے دست بردار ہو جاتے یا ہم خود اس کو علیحدہ کر دیں امویہ کے متعلق جو کچھ مشہور ہے وہ درست ہے مگر ان کے پاس وہ منافی امامت نہیں اور نہ ان کے پاس جو اماموں کے لئے ان امور کو جائز قرار دیتے ہیں (یہ منافی امامت ہے) اگر یہ کہو کہ وہ کون کون سی قابل تعریف صفات ہیں جن کی بدولت ایک شخص امامت کا مستحق ہوتا ہے اور امت کے کتنے افراد کی بیعت سے عقد بیعت صحیح ہوتا ہے۔

جواب۔ وہ صفات یہ ہیں مسلمان ہونا، قریشی ہونا، بلحاظ علم مجتہد ہونا۔ رعیت کی سیاست سے بخوبی واقف ہونا، صاحبِ شجاعت اور رعیت کے لئے مفید و کار آمد ہونا۔ تعداد کی نسبت اختلاف ہے بعض علما نے ہماری بیان کردہ تعداد سے کم تعداد بیان کی ہے۔ بعض علما نے اس سے زیادہ تعداد بیان کی ہے صحت عقد بیعت کی تعداد سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ایک عادل شخص کے بیعت کر لینے سے بھی بیعت درست ہو جاتی ہے بعض دو شخصوں کی بیعت اور بعض چار شخصوں کی بیعت ضروری کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اربابِ حل و عقد، ذی اقتدار اور ماہرین امر کی ایک جماعت کا بیعت کرنا ضروری ہے اگر ایک شخص نے بیعت کر لی اور باقی دوسرے لوگوں کا انکار کرنا نہ سنا گیا ہو تو یہی کافی ہے مگر اس کی شہادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے کیونکہ یہ ایک نہایت اہم واقعہ اور ایک منصب عظیم ہے۔ اور دو شہروں یا دو ملکوں میں دو شخصوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ہم نے جو ذکر کیا اور اس پر جو مسائل مرتب ہوتے ہیں یعنی اگر کوئی امام دست بردار ہو جائے یا اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جس کی وجہ سے وہ قابل علیحدگی ہو جائے تو آیا وہ خود ہی دست بردار ہو جائے یا یہ واجب ہے یہ ساری باتیں نتائج اجتہاد پر موقوف ہیں جن کے لئے تمہیں ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو علم کلام میں تصنیف ہوئی ہیں کیونکہ اس کتاب میں میں نے اپنے آپ پر یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ ان تمام باتوں کو نقل کردوں جو علم کلام میں مذکور ہیں۔ میں نے صرف یہ شرط لگائی ہے کہ منقولات کو چھوڑ کر معقولات کی مشکلات کو حل کردوں اور اہل اصول کی معقولات میں انتہائی ترقی کو بیان کروں۔

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور ارباب کشف و کرامات اور اصحابِ علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تدقیق سے جمع کئے گئے ہیں جنہوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں، جنہیں اسلامی سوسائٹی کے ہر دور میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک سمجھا گیا اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور سماجی کارنامے اس قدر شاندار اور اس قدر روشن ہیں کہ ان کی غلامی پر آزادی کو رشک کرنے کا حق ہے اور بجا ہے، یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی اس کے مطالعہ سے غلامانِ اسلام کے حیرت انگیز اور شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے دوسرا ایڈیشن صفحات ۴۰۰ بڑی تقطیع قیمت پانچ روپے آٹھ آنے مجلد سپے۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com